نظریہ ہیومنزم کا اسلامی فلسفہ کی روشنی میں تحقیقی جائزہ

A Research Review of The Theory of Humanism in The Argument of Islamic Philosophy

Dr Hafiz Hamid Ali Awan
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
Bahauddin Zakariya University, Multan:
hafizhamidali@gmail.com

Abdul Bari
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies,
Institute of Southern Punjab, Multan:
hafizbari38@gmail.com

Abstract

Humanism is an objective way of thinking shaped by science, driven by craftsmanship and inspired by empathy. It demonstrates the pride of every human being and supports the enhancement of individual freedom and opportunity in harmony with social and earthly obligations. She advocates for a more participatory majority government and more open societies that uphold fundamental freedoms and civil rights. Free from the supernatural, she sees humans as part of nature, and she believes that rigid, moral, social and political values are rooted in human experience and culture. Humanism, therefore, argues that human needs and interests determine the purpose of life rather than religious or philosophical considerations and that humanity should develop a sense of responsibility for its own destiny.

Keywords: Humanism, Islamic, Philosophy.

موضوع تحقیق کے بنیادی سوالات:

انسانیت پسندی کے حوالے سے اسلامی نقطہ کیا ہے؟۔

کیاانسانیت کے لیے اسلامی تعلیمات اور موجودہ نظریات باہم متفق کر سکتے ہیں؟

منہج تحقیق:

اس مقالہ میں منتخب موضوع پر تجرباتی تحقیق(Analytical)اور اطلاقی تحقیق(Applied) کا منہج اختیار کیا جائے گا۔

ہیومنزم کا تعارف

ہیومنزم انسانیت پرستی یا انسانیت پسندی ایک ایسا نظریہ ہے کہ جس میں مذہب، رنگ، نسل، جغرافیائی یا سیاسی تفریق نہیں کی جاتی۔ تیرھویں صدی کے درمیان میں وقوع پذیر ہونے والا یہ نظریہ آج تقریباً دنیا کی تمام تہذیبوں اور قوموں میں منتقل ہو چکا ہے اس کے ساتھ ساتھ پوری دنیا میں اس کے نمائندے موجود ہیں جو اپنے وسائل کی مدد سے وقت کے ساتھ ساتھ اس نظریے کو تقویت دے رہے ہیں۔

امریکن تاریخ دان پروفیسر ایڈورڈ کے مطابق ہیومنزم بہت ساری چیزوں پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہیومنزم زندگی کا ایک معقول توازن ہو سکتا ہے کہ جس کو کسی بھی مذہب سے آزادی حاصل ہو۔[1]

فلسفہ ہیومنزم کائنات، فطرت انسانی اور انسانی مسائل کے بارے میں ایک مخصوص اور واضح نظریہ رکھتا ہے جس کا تعلق نہ کسی مذہب سے ہے اور نہ ہی بوسیدہ یا پسماندہ نظریات سے ہے۔ یہ نظریہ خالصتاً حقیقت پر مبنی ہے۔ ہیومنزم کے ماننے والوں کا یہ نظریہ ہے کہ انسانیت کی فلاح و بہبود، خوشی اور بھلائی عقل، سائنس اور جمہوری نظام میں تلاش کی جا سکتی ہے۔

فلسفہ ہیومنزم وجہ تلاش کرنے پر زور دیتا ہے۔ انسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے ہیومنسٹک نظریات لامحدود اور کسی بھی مذہب کی قید سے آزاد ہیں۔ حقیقت میں انسانیت کی خوشی اور بھلائی کے خلاف تمام غیر معقول مافوق الفطرت پابندیوں کا خاتمہ ہی اس نظریہ کی بنیاد ہے۔

ہیومنزم کے اصول:

مندرجہ ذیل نکات فلسفہ ہیومنزم کی اصل اور بنیاد ہیں۔

اول، "ہیومنزم" نیچری مابعد طبیعات یا عام الفاظ میں اس نظریہ پر یقین رکھتا ہے جس کے مطابق تمام اقسام کے مافوق الفطرت موجودات (جیسا کہ خدا، فرشتے، جنت، جہنم وغیرہ) محض کہاوتیں اور افسانے ہیں، اور یہ کہ تمام وجودات اور یہ ساری کائنات، مستقل بالذات مادے اور انرجی کے آپسی تعامل ہی کا نتیجہ ہیں جن کے پیچھے کوئی طاقت مطلق یا ناظم کائنات کارفرما نہیں ہے۔[2]

[1] Corliss Lamont, The Philosophy Of Humanism, Eighth Edition, 1997, P 12

[2] Corliss Lamont, The Philosophy Of Humanism, Eighth Edition, 1997, P 13

دوم، "ہیومنزم" کا انحصار، بالخصوص سائنسی قوانین و حقائق پر ہے۔ "ہیومنزم" کے مطابق انسان اس مادی کائنات، جس میں کہ ہم رہتے ہیں، ہی کا ایک حصہ اور ارتقائی عمل ہیں۔ اور یہ کہ روح یا شعور انسانی دماغ ہی کے عمل اور فنکشنز کا ایک نام ہے جس کا دماغ کے ساتھ لازم رشتہ ہے یعنی انسان کے نفس کا اس کے علاوہ کوئی روحانی وجود نہیں بلکہ دماغ ہی کا ایک عمل ہے۔ "ہیومنزم" اس بات پر بھی یقین رکھنے کا نام ہے کہ چونکہ انسانی شعور یا روح اور جسم در حقیقت ایک ہی شے ہے لہذا عقیدہ حیات بعد الموت افسانوی کہانی ہے۔ [3]

سوم، "ہیومنزم" جیسا کہ "انسان" پر ایمان لانے کا نام ہے، اس لئے انسانی مسائل کو حل کرنے میں حتمی فیصلہ (وحی یا آسمانی ہدایت کی بجائے) انسانی عقل اور سائنسی طریقہ کار کا ہے۔ [4]

چہارم، ہر قسم کے نظریہ جبر و قدر اور ایمان بالقدر کے بر خلاف، "ہیومنزم" کا نظریہ یہ ہے کہ انسان اپنی قسمت اور تقدیر کا خالق خود ہے، ان معنوں میں کہ جس شے یا عمل کو انسان مثبت یا صحیح سمجھتا ہے، اسے اختیار کرنے میں انسان مکمل طور پر آزاد ہے۔ لہذا اسے کسی خارجی یا آسمانی پابندی کی فکر نہیں کرنے چاہئے، وہ اپنے لئے خیر و شر کے انتخاب اور ترجیحات کی درجہ بندی متعین کرنے میں پوری طرح آزاد ہے۔ [5]

پنجم یہ کہ ہیومنزم کے مطابق اخلاقیات کی تمام تر بنیاد مذہب، قوم یا قبیلے کی روایات و تعلیمات کی بجائے ان دنیاوی اقدار پر ہے جن کے ذریعے انسان اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ خوشیاں، آزادی اور مادی ترقی حاصل کر سکے۔ [6]

ششم یہ ہے کہ ہیومنزم آرٹ کی وسیع تر ممکنہ ترقی اور خوبصورتی پر یقین رکھتا ہے کہ جس میں قدرتی خوبصورتی اور کمال کی تعریف بھی شامل ہے۔ لہذا یہ باکمال تجربہ تمام لوگوں کی زندگی میں ایک وسیع حقیقت بن سکتا ہے۔ [7]

---

[3] Corliss Lamont, The Philosophy Of Humanism, Eighth Edition, 1997, P 14

[4] Ibid

[5] Ibid

[6] Ibid

[7] Ibid

ہفتم، ہیومنزم ایک دورس سماجی پروگرام پر یقین رکھتا ہے جو کہ پوری دنیا کی جمہوریت، امن اور اعلی معیار زندگی کو جدید معاشی، قومی اور بین الاقوامی بنیادوں پر اسٹبلش کرنے کیلیئے ہے۔ [8]

ہشتم، ہیومنزم عقل اور سائنسی طریقہ کار کے مکمل سماجی نظام پر یقین رکھتا ہے۔ جس میں جمہوری طریقہ کار اور پارلیمنٹری نظام حکومت کے ساتھ ساتھ شہریوں کے سیاسی، معاشی اور ثقافتی شعبوں میں اظہار کی مکمل آزادی حاصل ہو۔ [9]

نہم، ہیومنزم سائنسی طریقہ کار کے مطابق بنیادی مفروضوں کے لا متناہی سوالات پر یقین رکھتا ہے۔ ان سوالات میں فلاسفی آف ہیومنزم شامل ہے۔ ہیومنزم کوئی نیا اصول نہیں ہے جو کہ ذہنی آزمائش کیلیئے کھلا ہے۔ [10]

ہیومنسٹ اچھی زندگی گزارنے کے اصولوں پر پختہ یقین رکھتے ہیں، لیکن وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ یہ مافوق الفطرت طاقتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہیومنسٹ اصول عقیدے کے غیر تبدیل شدہ مضامین نہیں ہیں بلکہ زندگی کے تجربے اور عمل کے نتائج کے مشاہدے سے اخذ کردہ رہنما اصول ہیں۔ ان رہنما خطوط میں خوشی کو فروغ دینے اور مصائب کو کم کرنے کے خدشات، ہر انسان کی ممکنہ قدر کا احترام، اور اپنی ایک زندگی کو ممکنہ حد تک گزارنے کا عزم شامل ہے۔ وہ رہنما خطوط ہیں جن کا اطلاق بدلتے ہوئے حالات پر کیا جا سکتا ہے اور ہیومنسٹوں کو نئے علم اور تفہیم کا مناسب جواب دینے کی اجازت دیتے ہیں۔

انسانیت پسندوں کے لیے، تمام عقائد کو عقل کے امتحان سے گزرنا چاہیے۔ ہیومنسٹ صرف اس بات پر بھروسہ کرتے ہیں جو ان کی وجہ بتاتی ہے وہ اپنے اور دوسروں کے تجربے سے جان سکتے ہیں۔ اسی طرح جس طرح سائنسدان سوچتے ہیں، ہیومنسٹ کو تمام بیانات اور عقائد کے لیے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ مسلسل چیزوں کے بارے میں سوالات کرتے ہیں، لیکن یقین نہیں کرتے کہ وہاں کچھ بھی مکمل یقین کے ساتھ جانا جا سکتا ہے. ہیومنسٹ کوشش کرتے ہیں اور اپنے لیے زندگی کے معنی اور مقصد کو تلاش کرتے ہیں، وہ کس چیز پر یقین رکھتے ہیں اور کس چیز کی قدر کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ صرف آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپ کس چیز پر یقین رکھتے ہیں، اور یہ کہ ہر کسی

---

[8] Corliss Lamont, The Philosophy Of Humanism, Eighth Edition, 1997, P 14

[9] Ibid, P 15

[10] Ibid

کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ انسانیت پسند حتمی 'سچائی' یا زندگی کی تشریح کے دعووں کو قبول نہیں کر سکتے، چاہے یہ مذہبی یا غیر مذہبی ذرائع سے آتے ہیں۔ ان کا مشاہدہ ہے کہ یہ دعوے ہیں ہمیشہ آمریت، اصول پسندی، ظلم و ستم، صلیبی جنگوں اور جہاد انسان دوست اصول ایسے تمام انسان دشمن نتائج کے خلاف ضامن ہیں۔

اس لیے "انسان پرست" کسی بھی خدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتے، کیونکہ اس کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہیومنسٹ اس بارے میں مختلف نظریات رکھتے ہیں کہ آیا خدا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ کچھ ہیومنسٹ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے، جس کا مطلب ہے کہ وہ 'ملحد' ہیں، جب کہ بہت سے دوسرے ایمانداری سے نہیں جانتے کہ خدا ہے یا نہیں، جس کا مطلب ہے کہ وہ 'اگنوسٹک' ہیں۔ لیکن تمام عملی مقاصد کے لیے کوئی بھی انسان پرست کسی بھی قسم کے ایک فعال خدا پر یقین نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی ہیومنسٹ تخلیق کے عمل، ابدی روحوں، فیصلے کے دن یا جنت یا جہنم میں بعد کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں۔

انسان پرستوں کے پاس بہت سی واضح اقدار ہیں جو وہ زیادہ تر انسانوں کے ساتھ بانٹتے ہیں، جیسے کہ محبت، احترام، بے غرضی، اور دوسروں کے لیے ہمدردی محسوس کرنے، دوسروں کی دیکھ بھال کرنے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے کی صلاحیت۔ یہ اقدار اس بات کی واضح تفہیم پر منحصر ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط، ہمارے اپنے تجربے اور عام طور پر انسانیت کے تجربے سے اخذ کیا گیا ہے۔ وہ اقدار ہیں جو زندگی کو معنی اور مقصد دینے میں مدد کرتی ہیں: مثال کے طور پر، کیونکہ انسان بہت سی اقدار کا اشتراک کرتے ہیں، ہیومنسٹ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ نسل، جنس، طبقے، قابلیت یا عقیدے کی تقسیم کو ہمیں الگ کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ ہیومنزم ایک غیر مذہبی 'عقیدہ کا نظام' ہے، اس بارے میں سوچنے کا ایک طریقہ ہے کہ انسان ہونے کا کیا مطلب ہے، اور 'اخلاقی نظام' ہے کہ ہماری زندگی کو اچھی طرح کیسے گزارا جائے۔

انسانیت پسندوں کے لیے، ہماری زندگی کو اچھی طرح سے گزارنے کا مطلب ہے کہ اس دنیا میں انسانی خوشی اور فلاح و بہبود کو بڑھانے کی کوشش کریں، اور مصیبت اور غم کو کم کرنے میں مدد کریں جو کہ قابل گریز ہے۔ ہم سب لوگوں کو مصیبت میں مبتلا دیکھ سکتے ہیں اور ان کے مصائب پر ہمدردی محسوس کر سکتے ہیں، اور ہیومنسٹ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہیں کہ وہ جس طرح بھی کر سکتے ہیں مدد کریں۔

یہ انسانیت پسندوں کو اس بارے میں مضبوط یقین دیتا ہے کہ کیا اچھا اور صحیح ہے، اور کیا برا اور غلط ہے۔ بحیثیت انسان، ہم دیکھ سکتے ہیں کہ کس قسم کی سوچ اور برتاؤ خوشی اور تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ ہیومنسٹ تاریخ کے شواہد

اور اپنے تجربے سے جو وہ اپنے ارد گرد ہر روز ہوتے دیکھتے ہیں۔ ان تجربات کے پیش نظر وہ اپنے عقائد قایم کر لیتے ہیں۔ اپنے استدلال کی طاقتوں کو استعمال کرتے ہوئے، صحیح اور غلط، یا اچھے اور برے کے بارے میں۔ ہیومنسٹ یہ بھی سوچتے ہیں کہ وہ اپنے استدلال کی طاقت کو اپنے لیے استعمال کر سکتے ہیں کہ اپنے عقائد کو کیسے عملی جامہ پہنایا جائے۔

ہیومنزم زیادہ تر مذہبی اعتقاد کے نظاموں سے مختلف ہے کیونکہ ہیومنسٹ کا عقیدہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان پرست اس دنیا میں کام کرنے والی مافوق الفطرت طاقتوں پر یقین نہیں رکھتے۔

ہیومنسٹ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ کوئی خدا ہے جو ہمیں کچھ عقائد رکھنے یا اپنی زندگی کو ایک خاص طریقے سے گزارنے کا حکم دیتا ہے، اور جو کچھ انہوں نے اس زندگی میں کیا یا نہیں، اس کا بدلہ یا سزا دیتا ہے۔ ہیومنسٹ اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک روح ہے جو ہمیشہ کے لیے موجود ہے، اور نہ ہی یہ کہ جنت میں خوشی یا جہنم میں تکلیف کے بعد کی زندگی ہے جس کے نتیجے میں وہ اس زندگی کو اپنی نظریات تک اچھی طرح گزارتے ہیں۔

اس کے بجائے، ہیومنسٹ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہی زندگی صرف ان کے پاس ہے، اور انہیں اسے اسی طرح گزارنا چاہیے جیسا کہ وہ کر سکتے ہیں۔ ہیومنسٹ مسائل سے نمٹنے کے لیے اپنی سمجھ اور احساسات کو استعمال کرتے ہیں، دوسروں کے ساتھ تعاون اور معاشرے کے تجربات سے سیکھتے ہیں، کیونکہ یہ وہ تمام علم ہے جو ان کے پاس ہے اور اسی پر ہیومنسٹ بھروسہ کرتے ہیں۔ ہیومنسٹ یہ انسانیت کے فائدے کے لیے کرنا چاہتے ہیں، اس لیے نہیں کہ اس سے انہیں مستقبل میں انفرادی طور پر فائدہ پہنچے گا۔

ہیومنزم کا مکمل انحصار سائنسی حقائق پر ہے جس کے مطابق انسانی سرگرمیاں صرف عقلی استعمال پر منحصر ہیں۔ اس میں روحانیت کا عمل دخل نہیں ہے یہ نظریہ خدا پر یقین رکھنے کی بجائے انسانیت پر یقین رکھتا ہے۔ جس کا مطلب ہوا کہ انسان اپنی مدد آپ کے تحت ہی سب کچھ ہے۔ انسان اپنی تقدیر خود بناتا ہے۔ اس میں کوئی مافوق الفطرت ذات شامل نہیں۔ جو عمل انسان اپنے لئے بہتر سمجھتا ہے اس کو پورا کرنے میں انسان کو مکمل آزادی حاصل ہے۔

ہیومنزم میں اخلاقیات بھی شامل ہیں اس لئے کہ یہ ایک سماجی نظریہ بھی ہے۔ ان اخلاقیات کا تعلق کسی بھی مذہب یا قبیلے سے نہیں ہے بلکہ دنیاوی اقدار ہیں۔ ہر انسان مذہب یا خاندانی اخلاقیات سے بالاتر ہے ہر انسان اپنی مخصوص سرگرمیوں کے ذریعے اپنے لئے اور پورے معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کیلئے کردار ادا کر سکتا ہے۔

انسانیت کی بھلائی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون میں موجود ہے کسی مافوق الفطرت ذات کے عمل دخل کے بغیر انسان اپنی خوشی اور ترقی حاصل کرنے کیلئے جمہوری پارلیمانی نظام حکومت کے ذریعے ایک دورس منصوبہ بندی کر سکتا ہے۔

ہیومنزم میں سوالات اور مفروضات کی لامحدود گنجائش موجود ہے جس کے ذریعے کائنات کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی کسوٹی دنیاوی عقل ہے نہ کہ کسی مذہب کے فرسودہ اصول۔ اس فلسفہ میں بظاہر کوئی اصول نہیں ہیں مختلف سوالات اور مفروضات کے ذریعے اور سائنسی طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے لامحدود دریافت کی جاسکتی ہیں۔

ہیومنزم کی تاریخ واقسام:

تاریخ میں سب سے پہلے Renaissance ہیومنزم کا ذکر آتا ہے جب سب سے پہلے قرون وسطی میں عیسائیت کے خلاف بغاوت کی گئی۔ خاص طور پر نشاط ثانیہ کے مصنفین Rabailais اور Erasmus اس ابھرتے ہوئے نظریے کو فصیح آواز دی۔ تاکہ زندگی میں آرام و سکون اور خوشی حاصل کی جاسکے۔ نشاط ثانیہ کے ان مصنفین کے مطابق ایک مثالی انسان ایک راہب جیسا نہیں رہا۔ گویا کہ ایک ہیومنسٹ سیکولر آدمی کے طور پر ایک راہب سے بہتر ہے۔ [11]

Renaissance ہیومنزم نے کیتھولک چرچ کی اتھارٹی اور مذہبی تعلیمات کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ نشاط ثانیہ میں جتنی بھی بااثر شخصیات تھیں ان سب کا بڑھتا ہوا رجحان ایمان کی بجائے عقل تھا۔ اس دور میں سب سے زیادہ فکر جدید سائنسی علوم کی تھی۔ ہیومنسٹ دانشور، لاطینی اور جرمن باشندے ان بوسیدہ اور سطحی علوم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت کے یہ ترقی پسند اقدامات قرون وسطی کے علوم کا خاتمہ کر رہے تھے۔

Renaissance ہیومنزم کی خصوصیات موجودہ دور کے ہیومنزم میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ جیسا کہ علمی برتری کے مذہبی کنٹرول سے دور ہونے پر اصرار، ہیومنزم کا مکمل عقلی استدلال، بے پناہ فکری قوت، زندگی میں صرف خوشی اور قلبی سکون کی طرف ہی دوڑنا وغیرہ۔ نشاط ثانیہ کے نظریہ ہیومنزم اور موجودہ دور کے نظریہ ہیومنزم میں

---

[11] Corliss Lamont, The Philosophy Of Humanism, Eighth Edition, 1997, P 21

فکری ہم آہنگی نظر آتی ہے۔اس میں فرق صرف یہ ہے کہ اس وقت مذہبی علوم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا راستہ دریافت کیا جارہا تھا۔

Academicہیومنزم:

ہارورڈیونیورسٹی کے پروفیسر Irving Babbit اور Paul Elmes جو کہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں نے1930 میں کہا تھا کہ تعلیمی معیار کو مافوق الفطرت اور روایتی بھی رکھا جائے۔ سائنس اور عقل میں ہم اتنے آگے نہ چلے جائیں کہ اخلاقیات کو ہی بھلا دیں۔ جبکہ یہ فلاسفی تو فطرت اور اور انسانوں کے دوہرے معیار کے لیے ہے۔ اکڈیمک ہیومینزم نے نشاتہ ثانیہ ہیومنزم کی کچھ بری خصوصیات کو قدیم کلاسک میں واپس زندہ کیا۔ تعلیمی سنگ بنیاد کے طور پر مکمل سائنسی علوم کی مخالفت کرکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکیڈمک ہیومنزم نے نظریہ نشاط ثانیہ میں کچھ ترامیم کی۔اکیڈمک ہیومنزم نے تقاضا کیا کہ ہیومنزم کو بطور مضمون تعلیمی سسٹم میں شامل کیا جائے۔ مکمل سائنسی علوم کی مخالفت کرکے ان میں قرون وسطی کی ادبی تعلیمات کو شامل کیا جائے۔ [12]

Integralہیومنزم:

کیتھولک یاIntegral Thomas Aquinasہیومنزم جس کو نے قرون وسطی کی تعلیمات پر ترتیب دیا کہ جس میں خدا کی ذات کو عظیم قرار دیا گیا۔ لیکن پروفیسر ایڈورڈ کے مطابق کیتھولک ہیومنزم کے ذریعے عظیم ترین اخلاقیات کی حدود کا تعین تو کیا جاسکتا ہے بہر حال یہ فلسفہ ہیومنزم سے بہت دور ہے ہے کیونکہ کیتھولک ہیومنزم میں مرکزی توجہ خدا کی ذات ہے جب کہ ہیومنزم اس فلسفے کے برعکس خدا فرشتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ [13]

Subjectiveہیومنزم:

اس صدی کے پروفیسر سورشلر جن کا تعلق انگلینڈ سے ہے نے سبجیکٹو ورژن پیش کیا پروفیسر سورشل رنے ولیم جیمز سے متاثر ہوکر ہیومنزم پر اپنا فلسفہ پیش کیا جو کہ عملیت پسندی پر دلالت کرتا ہے۔پروفیسر سورشلر کہتے ہیں علم کے ساتھ ساتھ عملیت پسندی پر دھیان دینا چاہیے پروفیسر سورشلر مزید کہتے ہیں کہ انسان کا ذاتی موضوع سب

---

[12] Corliss Lamont, The Philosophy Of Humanism, Eighth Edition, 1997, P 23

[13] Ibid

سے اہم عنصر تھا جس میں معروضی سچائی اخلاقیات اور مذہبی خواہشات کی تکمیل میں پگھل جاتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود پروفیسر سورشلر مافوق الفطرت چیزوں کے ماننے والے تھے۔ [14]

فلسفہ ہیومنزم کی تاریخ واضح کر رہی ہے کہ ہیومنزم ایک ایسا وسیع المعنی لفظ ہے جس کے اوپر فصیح گفتگو کی جا سکتی ہے اس کی اصطلاح پر کئی سوالات اور مفروضات قائم کیے جا سکتے ہیں جیسا کہ مختلف سکالرز نے الگ الگ نظریات قائم کیے ہیں نشاۃ ثانیہ کے معلمین نے جہاں تعلیم کو مذہب اور اخلاقیات سے علیحدہ کرنے کا تصور یا نظریہ پیش کیا وہاں عہد جدید کے مصنفین نے اخلاقیات اور مذہبی تعلیمات کو معاشرے کے لیے ضروری قرار دیا۔

اسلام میں تصور خدا کے دلایل:

تصور خدا کی بحث روز اول سے ہو رہی ہے ہر زمانہ میں تصور خدا ایک الگ انداز سے پیش کیا گیا انسانوں نے جانوروں کی پرستش سے لے کر مظاہر کائنات کی پرستش کی۔ مختلف اشیاء کے حقائق کا مشاہدہ کرنا بھی انسان کی سرشت میں داخل ہے جس کی بنیاد پر ہر زمانے میں یہ سوال رہا ہے کہ مبدا اول کون ہے انسان کہاں سے آیا ہے اور اس نے کہاں جانا ہے۔ کیا پیدائش انسان کے پیچھے کوئی عظیم مقصد کار فرما ہے یا نظام کائنات خود کار نظام کے تحت چل رہا ہے۔ گویا ہر زمانے نے خدائی تصور ایک الگ فکر سے پیش کیا۔

انسان کے تمام اچھے عمل کے پیچھے یہ نظریہ ہے کہ کوئی ایسی ذات ہو جو اسے ان جملہ امور کا بدلہ دے۔ یہ خدا کے تصور وجود کا ایک سادہ سا پہلو ہے۔ جس میں انسان اپنے تمام پہلوؤں کو پس پشت ڈال کر کسی کی جستجو کرتا ہے جس سے انسان کا یہ عمل کسی کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔ اس درپردہ حقیقت کو قرآن مجید اس طرح بیان کرتا ہے۔

" قل هوالله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد"[15]

کہو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

اپنے وجود کو ثابت کرنے کے لیے اللہ ہمیشہ سے اپنی تخلیق بطور ثبوت پیش کرتا ہے اور یہ وطیرہ خود مسلمانوں کا نہیں بلکہ وحی بھی اسی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ قرآن میں ارشاد پاک ہے۔

---

[14] Corliss Lamont, The Philosophy Of Humanism, Eighth Edition, 1997, P 23

[15] القرآن، 112:4،3،2،1

" وقال الذین لایعلمون لولا یکلمنا الله او تاتینا آیه کذلک قال الذین من قبلهم مثل قولهم تشابهت قلوبهم قد بینا الایات لقوم یعقلون"[16]

اور جاہلوں نے کہا اللہ ان کے ساتھ ہم کلام کیوں نہیں ہوتا۔ یا ان کے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔اس سے قبل لوگوں نے بھی ایسی بات کہی تھی تو ان کے دل آپس میں ہم مثل ہو گئے یقینا ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے واضح نشانیاں بیان کر دیں۔

یہ کہنا بھی درست ہے کہ اسلام نے سائنس سے پہلے تعلیم کی اہمیت پر زور دیا ہے۔قرآن میں ارشاد پاک ہے۔

" قل هل یستوي الذین یعلمون والذین لا یعلمون"[17]

فرمادیجئے جو علم والے ہیں اور جو علم والے نہیں ہیں کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں۔

جیسا کہ رسول پاک ﷺ فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ! اشیاء کی اصل حقیقتوں کا علم عطا فرما۔

قرآن کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے یہ ذمہ ہے کہ وہ ہواؤں کے ردوبدل دن کے رات میں تبدیل ہونے اور بادلوں کی آمد ورفت اور تاروں ،آسمان کا مطالعہ کرے اور ان سیاروں کا بھی جو کہ قضاء میں معلق ہیں۔

قرآن کا بنیادی مقصد انسان میں خدا اور کائنات کے ساتھ اس کے کئی گنا تعلق کا اعلیٰ شعور بیدار کرنا ہے۔ قرآنی تعلیم کے اس ضروری پہلو کے پیش نظر گوئٹے نے ایک تعلیمی قوت کے طور پر اسلام کے بارے میں ایک عمومی نظریہ کا مطلب ایکلر مین سے کہا، آپ دیکھتے ہیں کہ یہ تعلیم کبھی ناکام نہیں ہوتی۔اپنے تمام نظاموں کے ساتھ، ہم بھی اور عام طور پر کوئی بھی آدمی اس سے آگے نہیں جا سکتا۔

سائنس جدید دور کا سب سے بڑا اور اہم بنیادی و علمی ماخذ ہے۔جس پر تمام مذاہب اور تمام فلسفوں کا اعتماد ہے۔آج کا دور سائنس کا دور کہا جاتا ہے سائنسی علوم کو بجا طور پر عصری علوم سے تعبیر کیا جاتا ہے اس دور حاضر میں خدا (creator) کا تصور جدید سائنسی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے زیادہ خوبصورتی سے پیش کیا جا سکتا ہے اس دور میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ مسلم معاشروں کو سائنسی حقائق سے باخبر رکھا جائے اور دینی تعلیم کو سائنسی حقائق سے مربوط کر کے اسلام کی حقانیت کا بول بالا کیا جائے۔

---

[16] القرآن، 118:2

[17] القرآن، 9:39

مذہب خالق سے (creator)بحث کرتا ہے اور سائنسی علوم مخلوق یعنی (creation)سے بحث کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر مخلوق پر تدبر اور تفکر اور سوچ وبچار تحقیقی انداز سے کی جائے تو ان تحقیقی حقائق کی روشنی میں پیش کیا جانے والا تصور خدا قطعی ہوگا انسان بلا فصل کہے گا۔

"ربنا ما خلقت هذا باطلا"[18]

اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے حکمت اور بے تدبیر تخلیق نہیں کیا۔

قرآن اپنے قاری کو سائنسی جستجو کی طرف دعوت دیتا ہے۔

"سنريهم آياتنا في الآفاق وفي أنفسهم حتى يتبين لهم أنه الحق"[19]

ہم بہت جلد ان کو کائنات کے اندر اور ان کے اپنے وجود میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے حتی کہ وہ سمجھ جائیں گے کہ وہی حق ہے۔

مذکورہ آیت میں اللہ تعالی ارشاد فرما رہے ہے کہ ہم انسان کو اسی کے جسم کے اندر موجود داخلی اور کائنات میں خارجی نشانیاں بھی دکھادیں گے جنہیں دیکھ لینے کے بعد یقین کرنے والا خود بخود جان لے گا کہ حق صرف خدا کی ذات ہے کائنات کا نظام چلانے والا اللہ ہے نہ کہ کائنات ایک خود کار نظام اور حادثہ ہے۔

کلام مجید کا اصل موضوع انسان ہے جس کو واضح طور پر اس امر کی طرف رغبت دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے آس پاس وقوع پزیر ہونے والے حالات واقعات اور حوادث عالم سے باخبر رہنے کیلئے غور وفکر اور تدبر و تفکر سے کام لے اور اپنی قوت مشاہدہ کی صلاحیت سے پرکھے تاکہ انسان کو اللہ تعالی کی بتائی ہوئی نشانیوں کی معرفت سے ازلی ذات کا تصور حاصل ہو۔اس ضمن میں قرآن مجید میں بھی ایک کامل انسان کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں زمین وآسمان کی پیدا کرنے میں تدبر و تفکر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

"إن في خلق السماوات والأرض واختلاف الليل والنهار لآيات لأولي الألباب الذين يذكرون الله قياما وقعودا وعلى جنوبهم ويتفكرون في خلق السماوات والأرض ربنا ما خلقت هذا باطلا"[20]

---

[18] القرآن، 191:3

[19] القرآن، 53:41

[20] القرآن، 190،191:3

بے شک آسمان اور زمین کی تخلیق میں اور دن رات کی تبدیلی میں عقل مندوں کیلئے نشانیاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو قیام کرتے ہیں، بیٹھے ہیں اور اپنی کروٹوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین میں فکر و تدبر کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو یہ حکمت دی ہے تدبیر نہیں بنایا۔

مبینہ آیات میں بندہ مؤمن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی ہر مصروفیت میں اپنے خالق کو یاد کرتے رہتے ہیں جب کہ انسان کو زمین اور آسمان کی خلق کے بارے میں بھی تدبر کرتے ہیں اور یہ ادراک کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ زمین وآسمان کا نظام کون چلا رہا ہے اور اس وسیع و عریض کائنات کا نظام کن ہاتھوں میں ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں ایک تو خالق (CREATOR) کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری خلق کے بارے میں بھی کہا گیا ہے خالق کا تعلق مذہب سے ہے جبکہ خلق کا تعلق سائنس کی شاخ cosmology سے ہے۔

کائناتی دلائل: (Cosmological Arguments)

ہر واقعہ کے پیچھے ایک واقعہ کا ہونا ضروری ہے یعنی ہر اثر Effect کیلئے ایک وجہ (Cause) کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ ایسا کیسے ہوا پھر وہ کس طرح ہوا پھر وہ کیسے ہوا یا وہاں جو کچھ ہے کیونکر ہے؟ان سوالات کے جوابات کی تلاش میں ایک دلیل (Argument) قایم ہوتی ہے جس کو "فرسٹ کاز" کہتے ہیں "فرسٹ کاز" کے پیچھے یا تو وجوہات میں سے ایک لا متناہی دھچکا ہونا ضروری ہے یا ایک نقطہ آغاز یا پہلی وجہ کا ہونا ضروری ہے آخر اس طرح ایک ابتدائی عظیم حرکت میں آنے والی وجہ کا وجود ہونا ضروری ہے ایک ایسا محرک جو کسی دوسرے محرک کے بغیر تحریک کا سبب بن سکتا ہے۔

علت و معلول:

سائنس کے مطابق مخلوق کی تمام شکلیں ترکیب کا نتیجہ ہیں مثال کے طور پر بعض واحد جواہر (Single Atoms) باہمی کشش کے قدرتی قانون کے ذریعے اکٹھے کئے جاتے ہیں جن کی مدد سے انسانی ہستی اور دوسری مخلوقات وجود میں آتی ہیں ۔ہر مخلوق اپنی ترکیب میں واحد ہے جبکہ تمام مخلوقات ایٹم کے بنیادی عناصر الیکٹرون، نیوٹرون اور پروٹون ایک طرح کے پائے جاتے ہیں۔

اگر کائنات کو مفروضہ کے طور پر خود کار نظام کہیں تو یہ بات عقلی طور پر بھی غلط ہے کیونکہ اس طرح ہمیں علت کے بغیر معلول پر یقین کرنا پڑے گا زندگی کے عناصر ترکیبی اختیاری طور پر داخل ہوتے ہیں نہ کہ بے اختیاری طور پر۔واضح ہے کہ اجسام کی لا متناہی شکلوں کی ترکیب مشیت اعلی مشیت ابدی اور وجود اعلی پر دلالت کرتی ہے۔

اس ضمن میں ارسطو کا نظریہ بھی ضروری ہے جن کے مطابق کائنات کے پیچھے ایک قوت موجود ہے۔ (Supreme First Cause) ارسطو کی اس نظریہ سے کندی اور ابن سینا متفق ہیں کہ کسی نہ کسی کو کائنات کی وضاحت کرنا ہے ارسطو بنیادی طور پر یہ کہتا تھا کہ ہر چیز کیلئے ایک علت یا سبب کا ہونا ضروری ہے ارسطو کی یہ دلیل سائنسی قانون علیت یا سببیت (Causality) کی وضاحت کرتی ہے کہ اثر (Effect) کیلئے ایک وجہ (Cause) کا ہونا ضروری ہے آئن سٹائن کا ایک مقولہ بہت مشہور ہے کہ جب میں ایک ٹویسٹ کا ٹکڑا دیکھتا ہوں تو جانتا ہوں کہ کہیں نہ کہیں ایک ٹویسٹر بھی موجود ہے پس علت و معلول کے آفاقی قانون کیلئے لازم ہے کہ ایک پہلی علت یا سبب موجود ہو۔

مسئلہ تقدیر وتدبیر:

ہیومنزم چوں کہ انسان پر ایمان لانے کا نام ہے تو لہذا انسانی مسائل کو حل کرنے کے لئے حتمی فیصلہ انسانی عقل کا ہے۔

مسائل کو حل کرنے میں اسلام اور ہیومنزم کے نقطہ میں ہم آہنگی نظر آتی ہے مسائل کے حل میں عقل کا (مشروط) استعمال قرآن وسنت، فقہ اور سیرت سے ثابت ہے۔ جیسا کہ رسول صلی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو گورنر تعین کرتے وقت پوچھا بتاؤ معاذ اگر کوئی مسئلہ درپیش ہو تو کس طرح اس سے نمٹو گے۔ تو انہوں نے کہا سب سے پہلے کتاب اس کے بعد سنت رسول صلی علیہ وآلہ وسلم اگر ان دونوں سے صراحت نہ ملی تو اجتہاد کروں گا۔ اس کے بعد پر مسرت ہو کر حضرت معاذ کو جناب رسالت صلی علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست شفقت سر پر رکھ کر یمن کی طرف روانہ کیا۔

قرآن میں ارشاد ہے۔

"یاایها الذین امنوا اطیعو الله واطیعو الرسول واولی الامر منکم ۔فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والی الرسول ان کنتم تؤمنون بالله والیوم الاخر"[21]

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور پھر اگر تم کسی تنازع میں پڑ جاؤ تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

---

[21] القرآن، 64:04

اسی طرح مطالعہ سیرت سے بھی تدبیر اختیار کرنا ثابت ہے کہ جب خندق کا واقعہ پیش آیا تو رسول صلی علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو خندق کھودنے کا حکم دیا جس کا جناب سلمان فارسی نے مشورہ دیا اور رسول صلی علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو ترغیب دلانے کے لیے خندق کھودنے میں بذات خود شریک ہوئے۔ [22]

غزوہ خندق کے موقع پر جب مسلمان چاروں طرف سے گھیرے جا چکے تھے تو حضرت سلمان بن مسعود آنحضرت کے سامنے حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ میں اسلام قبول کر چکا ہوں جس کی خبر میرے قبیلے کو معلوم نہیں ہے رسول صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اکیلے آدمی ہو تم مسلمانوں کی خیر خواہی کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو کرو چونکہ جنگ کا مطلب تدبیر ہے تو تم سے جو تدبیر ہو سکتی ہے اختیار کرو اور دشمنوں میں پھوٹ ڈالو۔ [23]

آخر کار حضرت سمان بن مسعود نے دشمن کے درمیان ایسی پھوٹ ڈالی کہ ان کا اتحاد بکھر کر رہ گیا اور ان کی طاقت میں دراڑ پڑ گئی۔

لہذا تدبیر اختیار کرنا رسول کی سیرت سے بھی ثابت ہے۔

تدبیر اختیار کرنے میں ہیومنزم اور اسلام میں نقطہ نظر میں مطابقت نظر آتی ہے لیکن کارلس لیمنٹ کا یہ کہنا کہ انسان اپنی تقدیر کا خود خالق ہے۔ یعنی جس کام کو انسان مثبت سمجھتا ہے اس کو کرنے میں انسان مکمل آزاد ہے۔ نیز خیر وشر کی درجہ بندی کرنے میں بھی پوری طرح آزاد ہے۔ انسان کو کسی خارجی مافوق الفطرت پابندی کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ کارلس لیمنٹ کے اس نقطہ نظر میں اسلامی تعلیمات کو قطعی اختلاف ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو انسان بنیادی طور پر تقدیر کا خالق نہیں انسان جو تقدیر سے حاصل کرتا ہے اس کے پیچھے اللہ کی مرضی ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد باری تعالی ہے۔

"یوتی الحکمت من یشاء ۔ومن یوتی الحکمت فقد اوتی خیرا کثیرا۔ وما یذکر الا اولو الالباب"[24]

وہ جس کو چاہے حکمت اور سمجھ عطا کرتا ہے اور جو شخص حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت زیادہ خیر دیا گیا اور نصیحت صرف عقل رکھنے ہی حاصل کرتے ہیں۔

اسی طرح کا مفہوم ایک حدیث پاک میں ملتا ہے۔

[22] سیرت ابن ہشام جلد 2 ص 154

[23] سیرت ابن ہشام ج 2 ص 164

[24] القرآن، 269:02

"من یرد الله به خیرا یفقه فی الدین"[25]

اللہ جس آدمی کے ساتھ اللہ بھلائی کا ارادہ کرلے۔اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

آیت مبارکہ میں یہ فرمان یوتی الحکمت من یشاء دلالت کرتا ہے کہ حکمت اور دانائی اللہ کی طرف سے ہے یعنی انسان کی عقل کی بنیاد اللہ کی طرف سے ہے انسان اپنی کاوش سے اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ حدیث میں کہا گیا ہے سمجھ داری اور دانائی انسان کی خصلت ہے لیکن اس کے باوجود ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا۔

مشاہدہ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ تقدیر تدبیر کو پسند کرتی ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"ان الله لا یغیر ما بقوم حتی یغیرو ما بانفسهم"[26]

بے شک اللہ اس قوم کی حالت نہیں تبدیل کرتا جب تک کہ وہ اسے خود نہ ٹھیک کریں جو ان کے اندر دلوں میں ہے۔

تدبیر کی بنیاد منصوبہ بندی، معاملہ فہمی اور زمینی حقائق پر ہوتی ہے جبکہ تقدیر غیبی احکامات کا نام ہے تدبیر ایک فرض عین اور اللہ کا راز ہے لیکن تقدیر الہی حتمی ہے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرشتوں سے ان کی تدبیر کے بارے میں سوال کیا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور محبوب بندے ہیں انہوں نے بھی تلوار، گھوڑے، اونٹ، پانی اور لباس کا بندوست کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنگ لڑتے رہے اور پیٹ پر پتھر باندھتے، انہیں بھی ساتھیوں، رشتہ داروں، دوستوں، ہجرتوں اور معاہدوں کی ضرورت پڑی۔ اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو جاگ کر عبادت کرتے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگتے تھے یعنی تدبیر کے ساتھ ساتھ تقدیر پر بھی ایمان کامل تھا۔

تقدیر کے حوالے سے اسلام میں دو نظریات ملتے ہیں۔ دونوں نظریات قرآن سے ثابت ہیں۔

نظریہ قدر کا ثبوت:

قرآن میں ارشاد ہے

"ولو شاء لهدینکم اجمعین"[27]

---

[25] صحیح مسلم 1037

[26] القرآن، 11:13

[27] القرآن، 09:16

اور اگر وہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

"وما تشاؤن الا ایشاء الله"[28]

اور تم نہیں حاصل کر سکتے ہو لیکن وہی جو اللہ چاہتا ہے۔

اسی طرح فرمایا۔

"یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء"[29]

وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عزاب دے۔

اسی طرح دلالت ہے کہ

"وخلق کل شیء فقدرہ تقدیرا"[30]

اس نے ہر چیز کو پیدا فرمایا اور پھر اس کی تقدیر معین کر دی۔

نظریہ جبر کا ثبوت:

اس نظریہ کے قائلین ایک فرد کو کلی طور پر اپنے ہر فعل و عمل میں مختار سمجھتے ہیں۔

یاد رکھیے مختار اور خالق میں فرق ہے

"وقل الحق من ربکم فنن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر"[31]

آپ فرما دیجئے اے پیغمبر کہ قرآن بر حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر پر رہے۔

"من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعلیها وما ربک بظلام اللعبید"[32]

---

[28] القرآن، 29:81

[29] القرآن، 14:48

[30] القرآن، 02:25

[31] القرآن، 29:18

[32] القرآن، 46:41

جس شخص نے اچھا کام کیا اس نے اپنی ذات کے لئے کیا اور برے کام کا نقصان انسان کے اپنے اوپر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

قرآن میں ارشاد پاک ہوتا ہے۔

"انا هديناه السبيل اما شاكرا واما كفور"[33]

یقیناً ہم نے انسان کو رستے کی ہدایت دی ہے چاہے وہ شکر گزار ہو یا کفر کرنے والا ہو جائے۔

مز کورہ جبر و قدر کے دلائل اپنی جگہ اہمیت کے حامل اور بر حق ہیں اگر دونوں طرف کے دلائل پر غورہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے انسان کو نہ کلی طور پر اختیار دیا گیا ہے اور نہ ہی انسان جامد ہے اس سلسلے علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

چنیں فرمودہ سلطان بدر راست

کہ ایمان درمیانِ جبر و قدر است

تقدیر کے دونوں مفاہیم میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے انسان نہ مختار ہے اور نہ ہی متحرک جبر اور قدر میں اپنی اپنی حکمت ہے جبر میں یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ انسان کو مکمل آزادی دے دی جائے تو وہ سزا اور جزا سے دستبردار ہو جائے گا اور بے راہ روی اختیار کرے گا اور قدر میں یہ حکمت ہو سکتی ہے کہ اگر انسان خود کو بحیثیت جامد سمجھے پھر وہ بڑے دعوے سے کہہ سکتا ہے کہ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا لہذا کوشش اور مغزماری بے سود ہے۔

فلسفہ اسلام نے جہاں تقدیر کا تصور دیا وہاں اس نے تدبیر کو پسند کیا ہے اسی فلسفے سے معلوم ہوتا ہے کہ اے انسان تجھے کوشش کیلئے بنایا گیا ہے محنت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے یہ ایک ایسا فلسفہ ہے جو تقدیر پر ایمان رکھنے کا حکم دیتا ہے اسی فلسفے نے جہاد کا حکم دیا اور اسی نے انسان کو ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں انسان اپنی تقدیر کا خود خالق نہیں ہے لیکن انسان کو مختار بنایا گیا ہے تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ تدبیر اختیار کرنے کا حکم بھی قرآن کریم ،احادیث اور تاریخ سے ثابت ہے اسلامی جبر و قدر کے نظریات کے مطابق انسان کو نہ صرف تقدیر پر ایمان رکھنے میں دانائی اور نہ ہی محض تدبیر اختیار کرنے کے ذریعے خوشنودی خدا حاصل ہو گی۔

---

[33] القرآن، 03:76

حاصل کلام:

یہ موضوع سائنس اور مذہب کے درمیان نہیں ہے۔ سائنسی حقائق سے وجود خدا کا تصور پیش کرنا صرف اس لیے ضروری تھا کیونکہ منتخب موضوع کا زیادہ سے زیادہ رجحان سائنس کی طرف ہے۔ جس طرح سائنس مسلسل ترقی کر رہی ہے عین ممکن ہے کہ ایک دن سائنس مذہب کی عینک سے حقائق کا مشاہدہ پیش کرے۔ مذکورہ سائنسی حقائق قرآن میں اللہ کی بتائی گئی نشانیوں سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔ بگ بینگ دھماکے کا پہلو کائنات کی اکائی پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ قرآن بھی کائنات کی ابتدائی شکل زمین و آسمان کے باہم جڑے ہوئے ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ جہاں قرآن کائنات کی وسعت پزیری کی طرف سراغ مہیا کرتا ہے وہیں سائنس بھی کائنات کے مسلسل پھیلاؤ کی طرف گواہی دیتی ہے۔ جبکہ کائنات کا ایسا نظام جس میں اربوں کہکشائیں ایک مخصوص متوازن سلسلے کے تحت اپنے اپنے ریڈار میں چل رہی ہیں اور انسانی جسم کی عالیشان مربوطی ایک خالق پر دلالت کرتی ہیں۔ سائنس کے حقائق اور خدا کی نشانیوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے۔ اگر سائنس اور خدا ایک دوسرے کی ضد ہوتے تو اللہ تعالی انسانیت کو قرآن مجید میں بار بار عقل کی طرف متوجہ نہ کرتا۔ اللہ ہی پوری کائنات کا خالق ہے اسی کا ہی ان موجودات پر حکم اترتا ہے۔ سائنسدان اس کائنات کے پوشیدہ رازوں کے کھوجی ہیں اور وہ رب العالمین ہے۔

مبداء اول کی انسان کو دی گی تمام ظاہری و باطنی تمام صلاحیتوں میں عقل کو بے پناہ سبقت حاصل ہے۔ لیکن جتنی بھی عقل کو اولیت دی جائے آخر عقل کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ اور جس طرح انسان کی دوسری تمام طاقتیں عارضی ہیں۔ مثال کے طور پر آنکھ جو کہ ایک محدود فاصلے تک دیکھ سکتی ہے۔ اس سے آگے نہیں۔ پھر بے روشنی کے کام نہیں دیتی۔ غرض جس طرح ہماری قوت دید محدود اور نامکمل ہے۔ اس طرح عقل کی رسائی کی بھی ایک حد ہے۔ وہ بھی نقصان سے بری نہیں اور اس سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ لہذا عقل محدود کی بنیاد پر محدود قوانین تو بنائے جا سکتے ہیں لیکن کائناتی سچائی کا فیصلہ عقل کی حدود سے اوپر ہے۔